شیخ نصیر الدین طوسی اور سقوطِ بغداد

ایم-یو- ظہیر

مزید تحقیقات کے لئے فالو کیجیئے:

https://whatsapp.com/channel/۰۰۲۹VbBZkQrADTO۹tqp۵XV۱A

رسالہ کا تعارف ۳

تمہید: ۵

- شیخ نصیر الدین طوسی پر ابنِ تیمیہ کا بہتان: ۵
- ابنِ تیمیہ کی تحریر کا متن: ۷

سقوطِ بغداد کے معاملے میں عینی شاہدین کی طرف رجوع ۱۰

- ابن الفوطی کی طرف رجوع: ۱۱
- ابن الطقطقی کی طرف رجوع: ۱۲
- ابو الفداء کی طرف رجوع: ۱۳
- ذہبی کی طرف رجوع: ۱۶
- ابن شاکر کتبی کی طرف رجوع: ۱۶
- صفدی کی طرف رجوع: ۱۸
- ابن خلدون کی طرف رجوع: ۱۹
- سیوطی کی طرف رجوع: ۱۹
- ابنِ تیمیہ کے ساتھیوں کی طرف رجوع: ۲۰

شیخ نصیر الدین طوسی کی مدح و ثنا: ۲۳

خاتمہِ بحث: ۲۹

رسالہ کا تعارف

حمد و ثنا:

تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہے۔ درود و سلام ہو کائنات کی افضل ترین ہستی، ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر اور ان کی پاکیزہ و معصوم آل پر، جو ہدایت کے چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔ اور اللہ کی لعنت ہو ان کے تمام دشمنوں پر، اولین سے لے کر آخرین تک۔

رسالہ کا تعارف:

سقوطِ بغداد اور دفاعِ خواجہ نصیر الدین طوسی تاریخِ اسلام کے صفحات میں سقوطِ بغداد (۶۵۶ھ) کا واقعہ ایک المیہ بن کر ابھرا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا علمی و ثقافتی مرکز تباہی سے دوچار ہوا۔ تاہم، اس حادثے کی آڑ میں ایک منظّم نظریاتی مہم کے تحت عظیم محقق اور حکیمِ الٰہی شیخ خواجہ نصیر الدین طوسی (رحمہ اللہ) پر یہ سنگین الزام تراشی کی گئی کہ انہوں نے ہلاکو خان کے ساتھ مل کر خلافتِ عباسیہ کے خاتمے اور مسلمانوں کے قتلِ عام میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ رسالہ دراصل اسی باطل پروپیگنڈے اور تاریخی تحریف کا مدلل علمی رد ہے، جس میں درج ذیل پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے:

الزام کی جڑ: رسالہ واضح کرتا ہے کہ شیخ طوسی پر ان حملوں کا اصل محرک کوئی تاریخی حقیقت نہیں بلکہ عقائدی اختلاف ہے۔ خاص طور پر ان کی کتاب "تجرید الاعتقاد" نے جس طرح مذہبِ شیعہ کو دلائل سے مستحکم کیا، وہ مخالفین کے نزدیک ناگواری کا سبب بنا۔

ابنِ تیمیہ کا کردار: رسالہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ابنِ تیمیہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے علمی بحث میں عاجز آنے کے بعد شیخ طوسی پر سب و شتم اور بہتان طرازی کا دروازہ کھولا۔

عینی شاہدین اور مورخین کی گواہی: اس تحقیق کی سب سے بڑی طاقت خود اہلِ سنت کے جلیل القدر مورخین کے حوالے ہیں۔ ابن الفوطی (جو اس واقعے کے عینی شاہد اور تاتاریوں کے قیدی تھے) سے لے کر ابن الطقطقی، ابوالفداء، ذہبی، ابن شاکر کتبی، صفدی، ابن خلدون اور سیوطی تک۔ کسی ایک معتبر مورخ نے بھی سقوطِ بغداد کے واقعات میں شیخ نصیر الدین طوسی کے ملوث ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

تضادات کا پردہ چاک: رسالہ ابنِ تیمیہ اور ان کے شاگردوں (ابنِ قیم وغیرہ) کے بیانات میں موجود فاش تضادات کو بھی بے نقاب کرتا ہے، جو اس الزام کے جھوٹا ہونے کی واضح دلیل ہے۔

شیخ کی علمی و اخلاقی عظمت: رسالے کے آخری حصے میں غیر متعصب سنی علماء کے کلام سے شیخ طوسی کی علمی جلالت، ان کے بلند پایہ اخلاق اور مسلمانوں کے لیے ان کی خدمات کا اعتراف نقل کیا گیا ہے۔

خلاصہ:

یہ تحریر ثابت کرتی ہے کہ "شیعہ دشمنی" میں گھڑے گئے یہ قصے تاریخی طور پر بے بنیاد ہیں۔ یہ رسالہ قارئین کو دعوت دیتا ہے کہ وہ تعصب کی عینک اتار کر حقائق کا مطالعہ کریں تاکہ ایک عظیم مسلم مفکر کی بریت اور حقانیت آشکار ہو سکے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اور درود وسلام ہو ہمارے سردار محمد (ﷺ) اور ان کی پاکیزہ آل پر، اور اللہ کی لعنت ہو ان کے تمام دشمنوں پر، اولین سے لے کر آخرین تک۔

آپ نے اکثر حکیمِ الٰہی، عظیم محقق شیخ خواجہ نصیر الدین طوسی کے اس کردار کے بارے میں ایک بہتان کے بارے میں سنا ہوگا جو ہلاکو خان کے ہاتھوں سقوطِ بغداد میں ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض کتب میں شیخ نصیر الدین طوسی کی طرف یہ نسبت دی جاتی ہے کہ مشرکین کے ہاتھوں بغداد کے زوال میں ان کا ہاتھ تھا، اور اس واقعے کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں پر جو برے اثرات مرتب ہوئے، جیسے کہ قتلِ عام، شہروں کی تباہی، علمی مدارس کی بربادی اور دیگر سنگین نتائج جو اس عظیم حادثے کے بعد رونما ہوئے۔

شیخ نصیر الدین طوسی پر ابنِ تیمیہ کا بہتان:

اس معاملے میں شیخ نصیر الدین طوسی (رحمہ اللہ) پر سب سے زیادہ سختی کرنے والوں میں شاید ابنِ تیمیہ سرفہرست ہے۔ یہ بات شک پیدا کرتی ہے اور اس تحقیق کی دعوت دیتی ہے کہ کیا شیخ پر اس الزام کی اصل وجہ عقائدی اختلاف تو نہیں؟ اور کیا اس کی وجہ وہ کردار ہے جو شیخ نصیر الدین طوسی نے مذہبِ شیعہ کی ترویج اور اسے دلائل و براہین سے مضبوط کرنے میں ادا کیا، بالخصوص اپنی کتاب "تجرید الاعتقاد" کی تصنیف کے ذریعے؟ یہ وہ کتاب ہے جو تمام علمی حلقوں (حوزاتِ علمیہ) میں بنیادی اور ابتدائی متن کی حیثیت اختیار کر گئی، اور بعض علمی مراکز میں اب بھی پڑھائی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ اور سنی علماء کی جانب سے اس پر کثرت سے شروحات اور حواشی لکھے گئے۔ یہاں تک کہ قاضی ایجی کی "المواقف" اور

سعد تفتازانی کی "المقاصد" جیسی کتابیں بھی ان ہی آراء کو مدِ نظر رکھ کر لکھی گئیں جو خواجہ نصیر الدین نے "التجرید" میں ذکر کی ہیں؛ وہ ان کی آراء اور افکار کا رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کا نام صراحت کے ساتھ لیتے ہیں۔ ہمیں ان کتب میں ایک ایسی جگہ بھی ملی ہے جہاں شیخ نصیر الدین طوسی کے نام کی تصریح کے ساتھ ان پر حملہ کیا گیا اور سب وشتم سے کام لیا گیا ہے، اور وہ کتاب "شرح المقاصد" ہے۔

رہا ابنِ تیمیہ کا معاملہ، تو وہ خواجہ نصیر الدین طوسی کا تذکرہ اس مناسبت سے کرتا ہے کہ علامہ حلی - جو خواجہ کے شاگرد ہیں - اپنے استاد سے مذہبِ شیعہ کی تائید اور عقیدہِ امامیہ کے اثبات میں ایک ایسی دلیل نقل کرتے ہیں جس کی بنیاد وہ دو صحیح حدیثیں ہیں جو فریقین کی کتب میں وارد ہوئی ہیں۔

علامہ (رحمہ اللہ) اپنے استاد سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ (ﷺ) کے بعد "حق مذہب" کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں خبر دی ہے جس پر اتفاق ہے کہ:

ستفترق أمتي من بعدي على ثلاث وسبعين فرقة

میری امت میرے بعد تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

انہوں نے کہا: ان فرقوں کی کثرت کے باوجود رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

فرقة ناجية والباقي في النار

ایک فرقہ نجات پانے والا ہے اور باقی آگ میں ہیں۔

پھر رسول اللہ (ﷺ) نے اس نجات پانے والے فرقے کا تعین اپنے اس قول سے فرما دیا:

إنما مثل أهل بيتي كمثل سفينة نوح من ركبها نجا۔

بے شک میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی مانند ہے، جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی۔

یہ ایسی استدلال ہے جس میں کوئی بھی بحث و مناظرہ نہیں کر سکتا، نہ پہلی حدیث میں، نہ دوسری حدیث میں، اور نہ ہی ان دونوں حدیثوں سے برآمد ہونے والے نتیجے میں۔

اور اس مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابنِ تیمیہ، جو اس (مذکورہ بالا) استدلال کے مقابلے میں کوئی علمی بحث یا اعتراض پیش کرنے سے قاصر رہا، وہ شیخ نصیر الدین پر حملہ آور ہوتا ہے اور انہیں ایسی گالیاں دیتا ہے جو ایک مسلمان کسی عام انسان کے لیے بھی زبان پر نہیں لاتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے سامنے وہ عبارت بعینہٖ لکھ دوں جو ابنِ تیمیہ نے شیخ نصیر الدین طوسی کے بارے میں کہی ہے:

ابنِ تیمیہ کی تحریر کا متن:

ابنِ تیمیہ کہتا ہے:

"یہ شخص خواص و عوام میں اس بات سے مشہور ہے کہ وہ الموت میں ملحد باطنی اسماعیلیوں کا وزیر تھا۔ پھر جب مشرک ترک مسلمانوں کے علاقوں میں آئے اور دارالخلافہ بغداد پہنچے، تو یہ مشرک ترک بادشاہ ہلاکو کا منجم اور مشیر تھا۔ اسی نے اسے مشورہ دیا کہ خلیفہ کو قتل کر دے اور اہلِ علم و دین کو موت کے گھاٹ اتار دے، اور صرف صنعت کاروں اور تاجروں کو باقی رہنے دے جو دنیا میں اس کے کام آ سکیں۔ اس نے مسلمانوں کے اوقاف پر قبضہ کر لیا اور اس میں سے جتنا اللہ نے چاہا مشرکوں کے علماء اور ان کے شیوخ یعنی "بخشیہ" جادوگروں اور ان جیسے لوگوں کو دیتا رہا۔

اور جب اس نے "مراغہ" میں صابئ مشرکوں کے طریقے پر رصد گاہ تعمیر کی، تو اس میں سب سے کم حصہ ان کا تھا جو اہل ادیان (مسلمانوں) کے قریب تھے، اور سب سے زیادہ حصہ ان کا تھا جو ادیان سے سب سے زیادہ دور تھے، جیسے صابئ مشرک، معطلہ (منکرینِ خدا) اور دیگر مشرکین۔

اس کے اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ اسلام کے واجبات اور محرمات کی دھجیاں اڑاتے تھے؛ نہ نمازوں جیسی فرائض کی پابندی کرتے تھے اور نہ اللہ کی حرام کردہ برائیوں، فحاشی اور شراب نوشی وغیرہ سے باز آتے تھے۔ یہاں تک کہ رمضان کے مہینے میں ان کی طرف سے نمازوں کو ضائع کرنے، فحاشی کے ارتکاب اور شراب پینے کے وہ واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جنہیں ان سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں۔

انہیں طاقت اور غلبہ صرف ان مشرکوں کے سائے میں ملا جن کا دین یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی بدتر ہے، اسی لیے جب بھی مغلوں اور دیگر ترکوں میں اسلام کو تقویت ملی، ان کا معاملہ کمزور پڑ گیا، کیونکہ یہ اسلام اور اہل اسلام سے دشمنی رکھتے تھے۔ الغرض، اس طوسی اور اس کے متبعین کا معاملہ مسلمانوں کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ مشہور و معروف ہے کہ اسے بیان یا بیان کیا جائے۔

اس سب کے باوجود یہ کہا گیا ہے کہ اپنی عمر کے آخری حصے میں وہ پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی کرنے لگا تھا اور تفسیرِ بغوی و فقہ وغیرہ میں مشغول رہتا تھا۔ پس اگر اس نے الحاد سے توبہ کر لی تھی، تو اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا۔

کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔[1]

لیکن اس (علامہ حلی) نے جو (استدلال) ذکر کیا ہے، اگر وہ توبہ سے پہلے کا ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اور اگر توبہ کے بعد کا ہے تب بھی اس نے "رفض" (شیعہ ہونے) سے توبہ نہیں کی تھی بلکہ صرف الحاد سے توبہ کی تھی، اور دونوں صورتوں میں اس کی بات قابلِ قبول نہیں"۔

اور ظاہر یہی ہے کہ وہ (علامہ حلی) اس سے اور اس جیسے لوگوں سے اسی وقت ملتا جلتا تھا جب وہ مشرک مغلوں کا منجم تھا، اور اس وقت اس کا الحاد ایک معروف حال تھا۔ پس جو شخص ابو بکر، عمر، عثمان اور دیگر سابقینِ اولین مہاجرین و انصار جیسے لوگوں میں عیب نکالتا ہو، اور مالک، شافعی، ابو حنیفہ، احمد بن حنبل اور ان کے پیروکاروں پر طعن کرتا ہو اور انہیں ان کی بعض غلطیوں (جیسے شطرنج یا غنا کی اباحت) پر عار دلاتا ہو، اسے یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے حق میں ایسے لوگوں کے قول سے استدلال کرے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ روزِ آخرت پر، نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں (ان اہل کتاب کی طرح جن سے یہاں تک لڑنے کا حکم ہے کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور محکوم بن کر رہیں)؟ وہ ایسی محرمات کو حلال سمجھتے ہیں جن کی تحریم پر اجماع ہے، جیسے رمضان کے مہینے میں فحاشی اور شراب نوشی؛ وہ لوگ جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا، شہوات کی پیروی کی، شریعتوں کی باڑ کو توڑ ڈالا، دین کی حرمتوں کو ہلکا جانا اور مومنین کے راستے کے علاوہ دوسرے راستوں پر چلے۔

۱- سورۃ الزمر: ۵۳۔

لیکن رافضیوں کا ہمیشہ سے یہی حال رہا ہے کہ وہ اللہ کے متقی اولیاء یعنی سابقینِ اولین مہاجرین و انصار اور ان کی پیروی کرنے والوں سے دشمنی رکھتے ہیں، اور کفار و منافقین سے دوستی کرتے ہیں۔۔۔ (ابن تیمیہ کی گفتگو یہاں تک ختم ہوئی)۔[1]

علامہ حلی کے اپنے استاد کے کلام سے کیے گئے اس استدلال پر یہ ابنِ تیمیہ کا جواب ہے، وہی استدلال جس کا ہم نے تذکرہ کیا۔ کیونکہ اس استدلال کے ستون وہ احادیث ہیں جن پر اتفاق ہے: ایک یہ کہ "میری امت عنقریب (تہتر فرقوں میں) بٹ جائے گی" اور دوسری حدیث بھی متفق علیہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "اہلِ بیت کی کشتی میں سوار ہوئے بغیر نجات ممکن نہیں"۔ نتیجہ بالکل واضح تھا، اور اس استدلال پر ابنِ تیمیہ کا (علمی جواب کے بجائے) یہ جواب ہے!!

سقوطِ بغداد کے معاملے میں عینی شاہدین کی طرف رجوع

اس قسم کے معاملے میں، جو کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط کا واقعہ ہے، ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس شخص کی طرف رجوع کریں جو اس واقعے کا عینی شاہد تھا، وہاں موجود تھا اور اس کی خبر دی؛ نیز ان مورخین کی طرف جو اس حادثے کے زمانے سے قریب تر تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم شیعہ مورخین کی طرف رجوع کریں تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ شیعہ اپنے اکابرین اور علماء کے دامن سے ہر قسم کا داغ دھونے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ ہم خود اہل سنت کے مورخین کی طرف رجوع کریں۔

۱- منہاج السنۃ ۳/۴۴۵—۴۵۱۔

ابن الفوطی کی طرف رجوع:

شاید وہ بہترین کتاب جس کی طرف ہم درجۂ اول میں رجوع کر سکتے ہیں، "الحوادث الجامعہ" ہے، جو علامہ ابن الفوطی کی تصنیف ہے۔ میں معتبر ذرائع سے مختصراً ابن الفوطی الحنبلی البغدادی (متوفی ۷۲۳ھ) کا تذکرہ پیش کرتا ہوں:

ذہبی نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

"ابن الفوطی ایک ماہر اور فنکار عالم، محدثِ مفید، آفاق کے مورخ اور اہلِ عراق کا فخر تھے۔ کمال الدین ابو الفضائل عبد الرزاق بن احمد بن محمد بن ابی المعالی الشیبانی ابن الفوطی۔ ان کی پیدائش محرم ۶۴۲ھ میں بغداد میں ہوئی اور وہ (سقوطِ بغداد کے) واقعے میں کم سنی میں ہی قیدی بنا لیے گئے تھے۔ پھر ۶۶۰ھ میں وہ اپنے استاد اور معلم خواجہ نصیر الدین طوسی کے پاس پہنچے، ان سے علومِ اوائل حاصل کیے، ادب میں مہارت حاصل کی، اور تاریخ، شاعری اور لوگوں کے حالات (تاریخی واقعات) میں متبحر ہوئے۔ وہ نظم و نثر کے مالک تھے اور لوگوں کے حالاتِ زندگی (تراجم) کو سجانے میں طویل تجربہ رکھتے تھے۔ وہ بلا کے ذہین تھے، ان کا خط نہایت نفیس اور خوبصورت تھا اور وہ بے شمار فضائل کے مالک تھے۔ انہوں نے کثیر احادیث سنیں اور اسی فن پر توجہ دی"۔[1]

"فوات الوفیات" کے مصنف ابن شاکر کتبی نے ان کا عنوان ان الفاظ سے قائم کیا ہے: "الشیخ، الامام، المحدث، المؤرخ، الاخباری، الفیلسوف"۔[2]

رہی بات ابن کثیر کی، تو وہ اپنی تاریخ میں ابن الفوطی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امام مورخ کمال الدین ابن الفوطی ابو الفضل عبد الرزاق، ۶۴۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۴/ ۱۴۹۳

۲۔ فوات الوفیات ۲/ ۳۱۹۔

تاتاریوں کے واقعے میں قیدی بنے، پھر قید سے نجات پائی۔ وہ (بغداد کے مدرسہ) مستنصریہ میں کتب کے نگران (لائبریرین) رہے۔ انہوں نے پچپن جلدوں پر مشتمل ایک تاریخ تصنیف کی، اور ایک دوسری کتاب تقریباً بیس جلدوں میں لکھی۔ ان کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں اور ان کا کلام (شاعری) عمدہ ہے۔ انہوں نے محی الدین ابن الجوزی سے حدیث سنی اور اسی سال (جس کا ذکر ہوا) ۳ محرم کو وفات پائی"۔[1]

پس یہ عالمِ مورخ، جس نے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہاں موجود رہا، اس میں قیدی بنا، اور وہ ایک ایسے امام و مورخ ہیں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جن کی اہل سنت کے علماء تعریف و توصیف کرتے ہیں اور ان کی تاریخی کتب کا تذکرہ کرتے ہیں؛ اس شخص کی ایک کتاب ہے "الحوادث الجامعه"۔ اس کتاب میں انہوں نے ہلاکو کے ہاتھوں سقوطِ بغداد کے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن اس پورے واقعے میں خواجہ نصیر الدین کا کہیں نام ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ذکر پایا جاتا ہے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اس واقعے کے ٹھیک ایک سال بعد یعنی ۶۵۷ھ میں تصنیف کی تھی۔

ابن الطقطقی کی طرف رجوع:

ابن الفوطی کے بعد ہم ابن الطقطقی کو دیکھتے ہیں جو ۶۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۰۹ھ میں وفات پائی۔ یہ "الفخری فی الآداب السلطانیه والدول الاسلامیه" کے مصنف ہیں۔ وہ بغداد کے واقعات کو صرف ایک واسطے سے روایت کرتے ہیں، اور اس کتاب میں بھی جب وہ سقوط کے واقعات بیان کرتے ہیں، تو خواجہ نصیر الدین کا اس معاملے میں سرے سے کوئی تذکرہ نہیں ملتا، نہ براہِ راست اور نہ ہی بالواسطہ۔

۱۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۴/۱۰۶۔

ہاں، خواجہ کا نام ایک جگہ آتا ہے جہاں وہ ابن العلقمی کی ہلاکو کے پاس رسائی کا ذکر کرتے ہیں۔

ابن العلقمی، (خلیفہ) مستعصم عباسی کا وزیر تھا۔ وہ مستعصم کے بعد بغداد کی نمایاں شخصیات میں سے ایک بنا۔ بعض سابقہ اور لاحقہ سنی مصنفین کی جانب سے اس کی طرف بھی یہ نسبت دی جاتی ہے کہ سقوطِ بغداد میں اس کا ہاتھ تھا، لیکن ہماری بحث اس وقت خواجہ نصیر الدین کے بارے میں ہے نہ کہ ابن العلقمی کے بارے میں۔ آپ اس سلسلے میں سید امین عاملی (رحمہ اللہ) کی کتاب "اعیان الشیعہ" کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جہاں انہوں نے ابن العلقمی کے بارے میں کہی گئی باتوں کا ذکر کیا ہے اور اس شخص کی بریت (بے گناہی) کو بھی ثابت کیا ہے۔

چنانچہ کتاب "الفخری فی الآداب السلطانیہ" میں شیخ نصیر الدین طوسی کا نام صرف ایک مرتبہ اس مناسبت سے آتا ہے کہ شیخ اس وزیر (ابن العلقمی) کی ہلاکو خان تک رسائی کا واسطہ بنے تھے۔ وہ (ابن الطقطقی) لکھتے ہیں:

"وہ شخصیت جنہوں نے شاہی دربار میں ان (ابن العلقمی) کے امور کی ترتیب کی ذمہ داری سنبھالی، وہ وزیرِ سعید نصیر الدین محمد طوسی تھے، اللہ ان کی روح کو پاکیزہ رکھے"۔[1]

ابو الفداء کی طرف رجوع:

اب ہم ابو الفداء کی تاریخ کی طرف بڑھتے ہیں، جن کی پیدائش ۶۷۲ھ اور وفات ۷۳۲ھ میں ہوئی۔ وہ اس واقعے کے زمانے سے بہت قریب ہیں، کیونکہ سقوطِ بغداد کا واقعہ ۶۵۶ھ میں پیش آیا اور ان کی پیدائش ۶۷۲ھ میں ہوئی یعنی واقعے کے چند ہی سال بعد، اور ان کا انتقال ۷۳۲ھ میں ہوا۔

۱۔ الفخری فی الآداب السلطانیۃ: ۳۳۸۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فتحِ بغداد، بغداد پر مشرک تاتاریوں کے قبضے اور عباسی حکومت کے خاتمے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سال (۶۵۶ھ) کے آغاز میں تاتاریوں کے بادشاہ ہلاکو نے بغداد کا قصد کیا اور بیس محرم کو اس پر قبضہ کر لیا، اور خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ کا وزیر مؤید الدین ابن العلقمی رافضی تھا، اور اہل کرخ بھی رافضی تھے؛ چنانچہ بغداد میں اپنی قدیم روش کے مطابق سنیوں اور شیعوں کے درمیان فتنہ کھڑا ہو گیا"۔

[بغداد میں شیعہ اور سنیوں کے درمیان یہ فتنے شیخ مفید اور شیخ طوسی کے زمانے سے ہی موجود تھے، اور انہی فتنوں کی وجہ سے شیخ طوسی نے بغداد سے نجف اشرف ہجرت کی اور وہاں حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی؛ اسی لیے وہ (ابو الفداء) کہتے ہیں:

"اپنی جاری عادت کے مطابق" یعنی یہ ان کے درمیان ایک معمول کی بات تھی کہ محلّہ کرخ (شیعہ) اور اس کے مقابل محلے (سنی) کے درمیان فتنہ ہو جاتا]۔

چنانچہ خلیفہ کے بیٹے ابو بکر اور رکن الدین دوادار [جو لشکر کا سربراہ تھا] نے فوج کو حکم دیا، انہوں نے کرخ کو لوٹا، خواتین کی بے حرمتی کی اور ان کے ساتھ فحش حرکات کے مرتکب ہوئے۔

یہ بات وزیر ابن العلقمی پر بہت گراں گزری، اس نے تاتاریوں کو خط لکھا اور انہیں بغداد کی سلطنت کا لالچ دلایا۔ بغداد کا لشکر ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھا، لیکن مستعصم نے ان کی تنخواہیں کاٹ دیں تاکہ وہ رقم تاتاریوں کو بطورِ خراج بھیج سکے، جس سے بغداد کا لشکر بیس ہزار سواروں سے بھی کم رہ گیا۔ ابن العلقمی نے اپنے بھائی کو تاتاریوں کے پاس بھیج کر انہیں بلایا، وہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھے۔ خلیفہ کی فوج ان کے مقابلے کے لیے نکلی جس کی قیادت رکن الدین دوادار کر رہا تھا، بغداد سے دو منزل کے فاصلے پر ان کا

آمنا سامنا ہوا، سخت لڑائی ہوئی جس میں خلیفہ کی فوج کو شکست ہوئی؛ کچھ لوگ بغداد میں داخل ہوگئے اور کچھ شام کی طرف نکل گئے۔

ہلاکو نے مشرقی جانب سے بغداد کا محاصرہ کیا، جبکہ "باجو" (جو ایک بڑا سپہ سالار تھا) نے مغربی جانب دار الخلافہ کے سامنے ایک بستی میں ڈیرے ڈال دیے۔ وزیر مؤید الدین ابن العلقمی ہلاکو کے پاس نکلا اور اپنے لیے امان حاصل کی، پھر خلیفہ مستعصم کے پاس واپس آکر کہا: "ہلاکو آپ کو خلافت پر برقرار رکھے گا جیسا کہ اس نے سلطانِ روم کے ساتھ کیا ہے"۔ چنانچہ مستعصم اپنے اکابر ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس (ہلاکو) کے پاس نکلا اور اسے اس کے خیمے میں ٹھہرایا گیا۔ پھر وزیر نے فقہاء اور معززین کو بلایا، وہاں بغداد کے تمام سادات اور مدرسین جمع ہوگئے جن میں محی الدین ابن الجوزی اور ان کی اولاد بھی شامل تھی، اسی طرح ایک کے بعد ایک گروہ تاتاریوں کے پاس نکلتا رہا۔ جب وہ سب مکمل جمع ہوگئے تو تاتاریوں نے ان سب کو آخری بندے تک قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے پل باندھا، باجو اور اس کے ساتھی پار اترے، بغداد میں تلواریں میانوں سے نکال لیں، دار الخلافہ پر حملہ کیا اور وہاں موجود تمام شرفاء کو قتل کر دیا، سوائے ان کے جو کم سن تھے جنہیں قیدی بنالیا گیا۔ بغداد میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا یہ سلسلہ تقریباً چالیس دن تک جاری رہا، پھر امان کا اعلان کیا گیا۔

رہا خلیفہ کا معاملہ، تو انہوں نے اسے قتل کر دیا، لیکن اس کے قتل کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ کہا گیا کہ گلا گھونٹ کر مارا گیا، کچھ نے کہا کہ ایک بوری (عدل) میں ڈال کر اسے ٹھوکریں ماری گئیں یہاں تک کہ وہ مر گیا، اور کچھ نے کہا کہ اسے دجلہ میں غرق کر دیا گیا، اور اللہ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے۔ مستعصم کمزور رائے کا مالک تھا، اس کی ناقص تدبیر کی وجہ سے سلطنت کے امراء اس پر غالب آچکے تھے، اور وہ عباسی خلفاء میں آخری خلیفہ تھا"۔[1]

۱- المختصر فی احوال البشر ۳/ ۱۹۳-۱۹۴۔

اس (پوری تفصیل) میں خواجہ نصیر الدین طوسی کا کہیں بھی ذکر موجود نہیں ہے، اور ابن العلقمی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی محلِ نظر ہے جس کی تحقیق ضروری ہے۔

ذہبی کی طرف رجوع:

رہا معاملہ ذہبی کا، تو وہ ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں؛ اگرچہ وہ بعض آراء میں اپنے استاد سے اختلاف بھی کرتے ہیں، لیکن بہر حال وہ ان کے شاگرد ہیں اور انہوں نے ابن تیمیہ کی کتاب "منهاج السنة" کی تلخیص بھی کی ہے، جس کا نام "منهاج الاعتدال" ہے۔

ذہبی سن ۶۵۶ھ کے واقعات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"مؤید (الدین) ابن العلقمی نے تاتاریوں کو خط لکھا تھا اور انہیں بغداد کا قصد کرنے پر ابھارا تھا، اس کی وجہ وہ لوٹ مار اور رسوائی تھی جو ان کے رافضی بھائیوں کے ساتھ برتی گئی تھی"۔

پھر انہوں نے واقعے کا ذکر بالکل اسی طرح کیا جیسے ابو الفداء کے حوالے سے گزر چکا ہے، اور اس میں نصیر الدین طوسی کا کوئی ذکر سرے سے موجود نہیں۔[1]

ابن شاکر کتبی کی طرف رجوع:

"فوات الوفیات" کے مصنف ابن شاکر کتبی (پیدائش ۶۸۶ھ یعنی واقعے کے تیس سال بعد، وفات ۷۶۴ھ) اپنی کتاب میں عباسی خلیفہ اور نصیر الدین طوسی دونوں کا الگ الگ تذکرہ کرتے ہیں، لیکن خواجہ طوسی کے بغداد کے واقعات میں عمل دخل کا ذرہ برابر بھی ذکر نہیں کرتے۔ خلیفہ کے تذکرے میں وہ لکھتے ہیں:

۱-العبر فی خبر من غبر ۳/۲۷۷۔

"وہ (مستعصم) اپنے والد اور دادا کی طرح مذہبِ اہل سنت و جماعت پر سختی سے قائم تھا، لیکن وہ بیداری اور ہمت میں ان جیسا نہ تھا، بلکہ اس کی معرفت، تدبیر اور ہوشیاری کم تھی، وہ پست ہمت، مال کا لالچی اور امورِ سلطنت سے غافل تھا، معاملات میں دوسروں پر بھروسہ کرتا تھا۔ اگر اس میں کوئی اور عیب نہ بھی ہوتا، تب بھی ملک الناصر داؤد کی "امانت" (ودیعہ) کے ساتھ جو اس نے کیا، وہ اس کے لیے رسوائی اور عار کے طور پر کافی تھا۔ اللہ کی قسم! اگر ناصر (صرف) ایک شاعر ہوتا اور اتنے طویل فاصلے سے سفر کر کے اس کے پاس آتا اور کئی قصیدوں میں اس کی مدح کرتا، تب بھی خلیفہ پر لازم تھا کہ وہ اسے اپنے مال سے اس کی امانت کی قیمت کے برابر انعام دیتا؛ مستعصم کے اجداد میں ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے عام شاعروں کو اس سے کہیں زیادہ عطا کیا تھا"۔

[یعنی گویا کسی شخص کی امانت خلیفہ کے پاس تھی، جس میں اس نے تصرف کر لیا اور مالک کو واپس نہیں کی؛ مصنف اس واقعے کا ذکر کرتے ہیں اور ان دیگر امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو خلیفہ سے صادر ہوتے تھے اور منصبِ خلافت کے شایانِ شان نہ تھے اور نہ ہی اس سے پہلے خلفاء کے ایسے اخلاق تھے]۔

"پس یہ تمام اسباب ان امور کا مقدمہ بنے جو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ، عراق اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے مقدر کر رکھے تھے، اور جب اللہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اسباب فراہم کر دیتا ہے"۔

[یہاں مصنف نے اس خلیفہ اور اس کے اسلاف کے دیگر کرتوتوں کا ذکر نہیں کیا، جیسے عیش و عشرت، لہو و لعب، دین سے بیزاری، بے راہ روی، شراب نوشی اور رنگین محفلیں وغیرہ؛ یہ تمام چیزیں کسی بھی حکومت کے خاتمے کا سبب بنتی ہیں]۔

وہ (ابن شاکر) کہتے ہیں:

"خلیفہ کے قتل کی کیفیت میں اختلاف ہے؛ کہا گیا کہ جب ہلا کو بغداد کا مالک بن گیا تو اس نے گلا گھونٹنے کا حکم دیا، کہا گیا کہ ٹھوکریں ماری گئیں یہاں تک کہ وہ مر گیا، اور اسی طرح دیگر اقوال ہیں، اور اللہ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے۔ واقعہِ بغداد اور قتلِ خلیفہ عظیم ترین واقعات میں سے تھا"۔[1]

یہاں بھی انہوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی سے متعلق کوئی بات ذکر نہیں کی۔

صفدی کی طرف رجوع:

اور اگر آپ صفدی کی کتاب "الوافی بالوفیات" کی طرف رجوع کریں (یہ شخص ۶۹۶ھ میں پیدا ہوا یعنی واقعے کے چالیس سال بعد، اور ۷۶۴ھ میں وفات پائی)۔ وہ خلیفہ کے تذکرے میں لکھتا ہے:

"وہ بردبار، سخی، صاف دل، نیک سیرت اور پابندِ سنت تھا، لیکن وہ ویسا (قوی) نہ تھا جیسے اس کے باپ اور دادا تھے۔ (اس کے عہد میں) دوادار اور شرابی (نامی امراء) زمین کے مالک بنے ہوئے تھے۔ ہلا کو تقریباً دو لاکھ سواروں کے ساتھ ان علاقوں میں آیا اور صرف خلیفہ کو طلب کیا۔ خلیفہ قاضیوں، مدرسین اور معززین سمیت تقریباً سات سو افراد کے ساتھ باہر نکلا، جب وہ "حریبہ" پہنچے تو حکم آیا کہ خلیفہ صرف سترہ افراد کے ساتھ حاضر ہو۔ چنانچہ وہ خلیفہ کو لے گئے اور باقی تمام لوگوں کو ان کے گھوڑوں سے اتار کر قتل کر دیا گیا۔ بغداد میں تلواریں چل پڑیں اور چالیس دن تک قتلِ عام جاری رہا۔ خلیفہ کو ایک خیمے میں اکیلا رکھا گیا اور ان سترہ افراد کو دوسرے خیمے میں؛ پھر ہلا کو نے خلیفہ کو طلب کیا، اس کے

۱۔ فوات الوفیات ۲/۲۳۰۔

اور اس کے بیٹے ابو بکر کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی، پھر دونوں کو باہر نکال کر ٹھوکروں سے مارا گیا یہاں تک کہ وہ مر گئے اور ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا"۔[۱]

ابن خلدون کی طرف رجوع:

اب ہم ابن خلدون کی طرف بڑھتے ہیں۔ ابن خلدون کی پیدائش ۷۳۲ھ اور وفات ۸۰۸ھ میں ہوئی۔ وہ اپنی تاریخ میں بغداد کے بنو عباس کے آخری بادشاہ مستعصم کی خبر ذکر کرتے ہیں۔ انہوں نے خلیفہ کو ان ذلیل صفات سے موصیف نہیں کیا جن سے دوسروں نے کیا (جو عار و رسوائی کا باعث بنیں اور خلیفہ و اہل بغداد پر ٹوٹنے والی مصیبت کا سبب بنیں)، بلکہ ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے: "وہ فقیہ اور محدث تھے"۔۔۔ پھر انہوں نے خلیفہ، ان کے بیٹے ابو بکر اور رکن الدین دوادار کے حکم پر کرخ میں شیعوں کے خلاف سنیوں کی کارروائی کا ذکر کیا، اور پھر ہلاکو کی عراق کی طرف پیش قدمی، بغداد میں داخلے اور خلیفہ و دیگر لوگوں کے قتل کا تذکرہ کیا۔

ان تمام مذکورہ واقعات میں کہیں بھی نصیر الدین طوسی کا ذکر موجود نہیں ہے، آپ ان کی تاریخ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔[۲]

سیوطی کی طرف رجوع:

جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ "تاریخ الخلفاء" میں (سیوطی کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی) تاتاریوں کے احوال، بغداد میں ان کی آمد اور خلیفہ کے قتل وغیرہ کا کئی صفحات پر ذکر کیا ہے، لیکن ان میں بھی نصیر الدین طوسی کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔[۳]

۱- الوافی بالوفیات ۱۷/۶۴۱۔

۲- تاریخ ابن خلدون ۶/۱۱۰۴۔

۳- تاریخ الخلفاء: ۴۶۷ــ۴۷۷۔

پس وہ باتیں کہاں ہیں جو ابنِ تیمیہ نے نصیر الدین طوسی (رحمہ اللہ) کے بارے میں سقوطِ بغداد کے حوالے سے ذکر کی ہیں؟

ابنِ تیمیہ کے ساتھیوں کی طرف رجوع:

اب ہم ابنِ تیمیہ کے شاگردوں اور ان کے مقربین کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور وہ تین ہیں: ذہبی، ابنِ کثیر اور ابنِ قیم۔

ذہبی کی عبارت ہم ذکر کر چکے ہیں، اور ہم نے دیکھا کہ وہ ابنِ تیمیہ کی کہی ہوئی بات کی طرف نہ تو براہِ راست اور نہ ہی بالواسطہ کوئی اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح مستعصم کے ترجمے میں اگر آپ "سیر اعلام النبلاء" کی طرف رجوع کریں، جہاں انہوں نے اس واقعے کی شرح جمال الدین سلیمان بن رطنین الحنبلی اور ظہیر کازرونی وغیرہ سے نقل کی ہے، وہاں بھی نصیر الدین طوسی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[1]

رہے ابنِ کثیر، تو ان کی پیدائش ۷۰۰ھ میں ہوئی (یعنی واقعے کے تقریباً پچاس سال بعد) اور وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی۔ انہوں نے نصیر الدین طوسی کا ترجمہ لکھا ہے، لیکن انہوں نے نہ تو ان کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جو ابنِ تیمیہ نے کہی تھیں، اور نہ ہی خواجہ نصیر الدین کی طرف نمازوں میں خلل، شراب نوشی یا فحاشی کے ارتکاب جیسی کوئی چیز منسوب کی۔ انہوں نے ان میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف وہ بات ذکر کی جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے ہلاکو کو خلیفہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا، لیکن وہ بھی ایسے الفاظ میں جو اس بات میں شک کو ظاہر کرتے ہیں۔ ابنِ کثیر نے اپنی تاریخ میں اس معاملے پر جو کچھ کہا اس کا متن یہ ہے:

وہ کہتے ہیں:

۱- سیر اعلام النبلاء ۱۸۱/۲۳۔

"اور لوگوں میں سے بعض یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے (خواجہ نصیر الدین نے) ہلاکو خان کو خلیفہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا، تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔

وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے، صرف یہ کہ "بعض لوگ گمان کرتے ہیں" اور "اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔ اور یقیناً ان کی مراد ان "لوگوں" سے ابنِ تیمیہ ہی ہیں۔ پھر بعض لوگوں سے یہ بات نقل کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں:

"اور میرے نزدیک یہ بات کسی عاقل یا فاضل شخص سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ بعض اہل بغداد نے ان کا ذکر کیا ہے تو ان کی تعریف کی ہے اور کہا ہے: وہ عاقل، فاضل اور کریم اخلاق کے مالک تھے، اور انہیں موسیٰ بن جعفر (علیہ السلام) کے مشہد (کاظمین) میں اس سرداب میں دفن کیا گیا جو خلیفہ ناصر لدین اللہ کے لیے تیار کیا گیا تھا"۔[1]

یہ ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں ابنِ کثیر نے اپنے شیخ ابنِ تیمیہ کی موافقت نہیں کی۔

اب باقی رہ گئے ابنِ قیم الجوزیہ؛ تو ابنِ قیم نے نہ صرف ابنِ تیمیہ کی پیروی کی، بلکہ اپنے شیخ کی باتوں پر کچھ مزید چیزوں کا اضافہ بھی کر دیا۔ نصیر الدین طوسی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں، وہ کہتے ہیں:

"شرک، کفر اور الحاد کا مددگار (نصیر)، ملحدوں کا وزیر نصیر طوسی، ہلاکو کا وزیر؛ اس نے رسول کے پیروکاروں اور ان کے دین والوں (سے بدلہ لے کر) اپنے دل کو ٹھنڈا کیا، پس انہیں تلوار کی دھار پر رکھا یہاں تک کہ اپنے ملحد بھائیوں کے دلوں کو سکون پہنچایا اور خود بھی شفایاب ہوا، چنانچہ اس نے خلیفہ مستعصم، قاضیوں، فقہاء اور محدثین کو قتل کر دیا"۔

[لفظ "المحدثین" چونکہ حالتِ نصب میں ہے، اس لیے اس کلمے کو یوں پڑھا جائے گا: "قتل"، یعنی نصیر الدین نے مستعصم، قاضیوں، فقہاء اور محدثین کو قتل کیا]۔

۱- البدایۃ والنہایۃ ۱۳/۲۶۷

[سوائے اس کے کہ ہم (ابنِ قیم کی عبارت میں) "قتل" کی ضمیر ہلاکو کی طرف پھیر دیں، لیکن (بقولِ ان کے یہ سب) خواجہ نصیر الدین کے حکم سے ہوا]۔

ابنِ قیم مزید کہتا ہے:

"اس نے (نصیر الدین نے) فلاسفہ، منجمین، ماہرینِ طبیعات اور جادوگروں کو باقی رکھا، اور مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے اوقاف ان کی طرف منتقل کر دیے، اور انہیں اپنا مقرب اور دوست بنالیا۔ اس نے اپنی کتابوں میں "عالم کے قدیم ہونے"، "معاد (قیامت) کے باطل ہونے" اور رب جل جلالہ کی صفات (علم، قدرت، حیات، سمع اور بصر) کے انکار کی حمایت کی۔ اس نے ملحدوں کے لیے مدارس بنائے اور امام الملحدین ابنِ سینا کی کتاب "الاشارات" کو قرآن کی جگہ دینے کا ارادہ کیا، مگر جب ایسا نہ کر سکا تو کہنے لگا: یہ خواص کا قرآن ہے اور وہ (قرآنِ کریم) عوام کا قرآن ہے۔ اس نے نماز کو بدلنے اور اسے دو نمازیں بنانے کا قصد کیا مگر یہ کام مکمل نہ ہو سکا، اور آخری عمر میں اس نے سحر (جادو) سیکھ لیا تھا، پس وہ ایک ایسا جادوگر تھا جو بتوں کی پوجا کرتا تھا" (ابنِ قیم کی بات ختم ہوئی)۔

غور فرمایئے! ابنِ تیمیہ نے کہا تھا:

"آخری عمر میں نصیر الدین طوسی نے توبہ کر لی تھی"؛ ہم نے اس کی عبارت پڑھی کہ وہ آخری عمر میں نماز پڑھتا تھا، فقہ سیکھتا تھا اور "تفسیرِ بغوی" پڑھتا تھا۔ جبکہ یہ (ابنِ قیم) کہہ رہا ہے کہ: "اس نے آخری عمر میں جادو سیکھا اور وہ بت پرست جادوگر بن گیا تھا!!"

یہاں تک یہ بات واضح ہو گئی کہ ماضی اور حال میں خواجہ نصیر الدین طوسی کی طرف جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے، اس کا اس کے سوا کوئی سبب نہیں کہ اس عظیم انسان نے ان (سخت) حالات سے اس "مظلوم مذہب" (شیعہ) کے حق میں فائدہ اٹھایا۔ وہ اپنی کتاب "تجرید الاعتقاد" کی تصنیف میں کامیاب ہوئے اور یہ کتاب علمی حلقوں میں پڑھائی جانے والی بنیادی کتاب بن گئی۔ اس طرح علمی مراکز میں امامیہ کے افکار پیش کیے گئے، جبکہ اس

سے پہلے اس گروہ کے افکار کے لیے کوئی موقع تھا نہ ہی علمی مدارس و حلقوں میں ان کی آراء کے تذکرے کی کوئی گنجائش تھی۔ تب دوسرے لوگ علمِ کلام اور عقائد میں خواجہ نصیر الدین طوسی کے خوشہ چین (محتاج) بن گئے، اور کتاب "التجرید" کی پیروی میں ان کی عقائد کی کتابیں لکھی گئیں۔ یہی وہ بات ہے جس سے یہ قوم (مخالفین) غصے میں ہے، اور یہی وہ سب سے بڑی وجہ تھی کہ اس عظیم انسان کی طرف وہ سب کچھ منسوب کیا گیا جو آپ نے سنا۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی طرف منسوب تمام باتیں باطل ہیں اور ان کی صحت کی کوئی بنیاد نہیں، اور اس کا ثبوت خود اہل سنت کے مورخین کے کلمات ہیں؛ ابن الفوطی سے لے کر (جو اس واقعے کے ہم عصر اور اس میں قیدی تھے) ابن الطقطقی، ابن کثیر، ذہبی، صفدی، ابن شاکر کتبی اور دیگر تک۔ یہ سب اہل سنت سے ہیں، اسی طرح ابو الفداء بھی؛ اور ہم نے اس عظیم شیخ کی بریت کے لیے شیعہ علماء میں سے کسی کا قول نقل نہیں کیا (تاکہ حجت تمام ہو)۔

شیخ نصیر الدین طوسی کی مدح و ثنا:

اب مناسب ہے کہ میں آپ کے سامنے مخالفین ہی کی کتابوں سے اس عظیم شیخ کی تعریف و توصیف میں کچھ تحریریں پیش کروں۔

ابنِ کثیر کی عبارت ملاحظہ کریں، وہ کہتا ہے:

"النصیر الطوسی محمد بن عبداللہ [لیکن ان کے والد کا نام محمد ہے، پس وہ محمد بن محمد ہیں]، انہیں مولیٰ نصیر الدین اور خواجہ نصیر الدین کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنی جوانی میں محنت کی اور "علومِ اوائل" (قدیم علوم و فلسفہ) کو اچھی طرح حاصل کیا، اس بارے میں علمِ کلام میں تصنیفات کیں اور ابنِ سینا کی "الاشارات" کی شرح لکھی۔ وہ اسماعیلیوں کے قلعہ الموت کے

حکمرانوں کے وزیر رہے، پھر ہلاکو کے وزیر بنے اور واقعۂ بغداد میں ان کے ساتھ تھے۔ لوگوں میں سے بعض یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہلاکو کو خلیفہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا، تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے؛ اور میرے نزدیک یہ بات کسی عاقل یا فاضل سے سرزد نہیں ہو سکتی"۔ (یہاں تک کہ وہ سب جو ہم پہلے پڑھ چکے ہیں)۔

وہ مزید کہتا ہے:

"وہ وہی ہیں جنہوں نے مراغہ میں رصد گاہ (Observatory) بنائی تھی، اور وہاں فلاسفہ، متکلمین، فقہاء، محدثین اور اطباء سمیت دیگر فضلاء کو مقرر کیا تھا۔ ان کے لیے وہاں ایک عظیم گنبد تعمیر کیا اور وہاں بہت زیادہ کتابیں جمع کیں۔ ان کی وفات اسی سال (۶۷۲ھ) بارہ ذی الحجہ کو بغداد میں ہوئی، ان کی عمر پچھتّر برس تھی اور ان کا کلام (شاعری) بہت جاندار اور عمدہ تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز معین سالم بن بدران بن علی مصری معتزلی تشیع کے ہاتھوں ہوا، پس ان کی وجہ سے ان میں بہت سی بحثیں پیدا ہوئیں یہاں تک کہ اس نے ان کا عقیدہ خراب کر دیا (بقول ابن کثیر)"۔

یہ سب کچھ اس نے نصیر الدین طوسی کے حالاتِ زندگی میں ذکر کیا ہے، جس میں ان کے علم کی بہترین تعریف موجود ہے، سوائے اس کے کہ وہ ان کے مذہب کی وجہ سے ان پر طنز کرتا ہے[1]۔

ذہبی نے سن ۶۷۲ھ کی وفیات میں کہا:

"فلاسفہ کے بڑے (کبیر الفلاسفہ) خواجہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن طوسی، صاحبِ رصد"۔

اور مزید کہا:

۱- البدایۃ والنہایۃ ۱۳/۲۷۶۔

"خواجہ نصیر الدین طوسی ابو عبداللہ محمد بن محمد بن الحسن، ذی الحجہ میں بغداد میں فوت ہوئے، ان کی عمر اسی (۸۰) سے تجاوز کر چکی تھی، وہ "علومِ اوائل" میں سر کردہ شخصیت تھے اور ہلاکو کے ہاں بلند مرتبہ رکھتے تھے"۔[۱]

اور ابو الفداء نے کہا:

"اسی سال - یعنی مذکورہ سال (۶۷۲ھ) پیر کے دن ۱۸ ذی الحجہ کو شیخ علامہ نصیر الدین طوسی نے وفات پائی، ان کا نام محمد بن محمد ہے اور وہ مشہور امام ہیں۔ وہ پہلے صاحبِ الموت (اسماعیلیوں) کے ہاں خدمات انجام دیتے رہے، پھر ہلاکو کی خدمت میں رہے اور اس کے ہاں بڑی منزلت پائی۔ انہوں نے ہلاکو کے لیے مراغہ میں ایک رصد گاہ اور زیج (ستاروں کا نقشہ) بنائی۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جو سب کی سب نہایت نفیس اور قیمتی ہیں؛ جن میں سے ایک "اقلیدس" ہے جو اشکال کے اختلاط پر مشتمل ہے، ایک کتاب "المجسطی" ہے، اور علمِ ہیئت میں "التذکرہ" ہے جس کے فن میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ نیز "شرح الاشارات" ہے جس میں انہوں نے فخر الدین رازی کے اکثر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ ان کی ولادت ۱۱ جمادی الاول ۵۹۷ھ میں ہوئی اور وفات بغداد میں ہوئی، اور انہیں مشہدِ موسیٰ وجواد (علیہما السلام) میں دفن کیا گیا"۔[۲]

[یعنی موسیٰ اور جواد، یہاں "واؤ" کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ دو اماموں کا مشہد ہے]۔

اور صفدی نے کہا:

"نصیر الدین طوسی محمد بن محمد بن الحسن نصیر الدین طوسی، فلسفی اور علمِ ریاضی کے ماہر تھے۔ وہ علومِ اوائل (قدیم علوم) بالخصوص رصد گاہوں اور المجسطی کے علم میں سر کردہ شخصیت تھے، اس فن میں وہ بڑے بڑوں پر سبقت لے گئے۔ انہوں نے معین سالم بن

۱- العبر فی خبر من غبر ۳/۳۲۶، دول الإسلام۔

۲- المختصر فی إخبار البشر ۴/۸۔

بدران معتزلی رافضی (شیعہ) اور دیگر سے تعلیم حاصل کی۔ ہلاکو کے ہاں ان کی بہت عزت اور بلند مرتبہ تھا، وہ ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور مال و دولت ان کے تصرف میں تھی۔ انہوں نے مراغہ میں ایک گنبد اور عظیم رصد گاہ تعمیر کی اور وہاں ایک بہت بڑا اور وسیع کتب خانہ بنایا جسے بغداد، شام اور جزیرہ سے لوٹی ہوئی کتابوں سے بھر دیا، یہاں تک کہ وہاں چار لاکھ سے زائد جلدیں جمع ہو گئیں [پس وہ کتابیں کہاں گئیں؟]۔ انہوں نے رصد گاہ میں منجمین اور فلاسفہ کو مقرر کیا اور ان کے لیے اوقاف (وظائف) جاری کیے۔ وہ خوش شکل، نرم مزاج، سخی، فیاض، بردبار، خوش اخلاق اور علم و فضل سے لبریز تھے"۔

حکایت ہے کہ جب انہوں نے رصد گاہ پر کام کرنے کا ارادہ کیا تو ہلاکو نے اس کام کو (عظمت کی وجہ سے) بہت بڑا سمجھا اور پوچھا: "ستاروں سے متعلق اس علم کا فائدہ کیا ہے؟ کیا یہ مقدر کو ٹال سکتا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ بادشاہ حکم دے کہ کوئی شخص اس (بلند) جگہ پر چڑھے اور وہاں سے تانبے کا ایک بڑا طشت نیچے پھینک دے اور کسی کو اس کا علم نہ ہو"۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور جب وہ طشت نیچے گرا تو اس سے ایسی خوفناک اور زوردار آواز نکلی کہ وہاں موجود سب لوگ ڈر گئے اور بعض تو بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن وہ (نصیر الدین) اور ہلاکو سکون سے رہے کیونکہ انہیں پہلے سے علم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔ تب انہوں نے ہلاکو سے کہا: "علمِ نجوم کا یہی فائدہ ہے کہ اس کا ماہر آنے والے واقعات کو (پہلے سے) جان لیتا ہے، اس لیے اسے وہ صدمہ یا دہشت نہیں پہنچتی جو ایک غافل اور بے خبر شخص کو پہنچتی ہے"۔ ہلاکو نے کہا: "اس میں کوئی حرج نہیں" اور انہیں کام شروع کرنے کا حکم دے دیا۔

ان کی دانائی سے ایک قصہ یہ بھی ہے کہ:

ہلاکو خان صاحبِ دیوان (وزیر) علاء الدین جوینی پر غضبناک ہوا اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس کا بھائی نصیر الدین کے پاس آیا اور ماجرا سنایا، تو نصیر الدین نے۔۔۔ (آخر تک) اور اس شخص کی خلاصی کے لیے تگ و دو کی۔

ان کے اخلاق کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے انہیں ایک رقعہ بھیجا جس میں (نعوذ باللہ) لکھا تھا: "اے کتے، اے کتے کے بیٹے"۔ اس پر ان کا جواب یہ تھا: "جہاں تک تیرا یہ کہنا ہے کہ "اے کتے"، تو یہ (علمی طور پر) صحیح نہیں ہے، کیونکہ کتا چوپایہ ہوتا ہے، بھونکتا ہے اور اس کے ناخن لمبے ہوتے ہیں۔ جبکہ میں سیدھا کھڑا ہونے والا، ظاہر جلد والا، چوڑے ناخنوں والا اور بولنے و ہنسنے والا (انسان) ہوں۔ پس یہ صفات اور خصوصیات ان صفات سے مختلف ہیں"۔ انہوں نے اس شخص کی کہی ہوئی ہر بات کو (علمی و منطقی طور پر) توڑنے میں طوالت اختیار کی۔

انہوں نے اسی طرح حسنِ ظن، ٹھہراؤ اور بغیر کسی اشتعال کے اسے جواب دیا اور اپنی تحریر میں ایک بھی برا کلمہ استعمال نہیں کیا۔

پھر صفدی نے ان کی تصانیف اور بعض دیگر واقعات کا ذکر کیا[1]۔

میں "الوافی بالوفیات" کی تمام عبارتیں لکھ کر آپ پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔

بس ان کے کلام کی اس عبارت پر غور کریں، وہ لکھتے ہیں:

"ان کے وجود سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا، خاص طور پر شیعوں، علویوں اور حکماء (فلاسفہ) وغیرہ کو۔ وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے، ان کی ضرورتیں پوری کرتے اور ان کی زندگیوں کی حفاظت کرتے تھے۔ ان تمام (کمالات) کے باوجود وہ نہایت متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ نصیر الدین مراغہ سے بغداد آئے، ان کے ساتھ ان کے شاگردوں اور ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد تھی، وہ وہاں چند ماہ مقیم رہے اور وفات پائی۔ نصیر الدین کی

۱- الوافی بالوفیات ۱/۱۷۹۔

ولادت طوس میں فلاں سال اور وفات فلاں سال ہوئی۔ صاحبِ دیوان اور اکابرین نے ان کے جنازے کی مشایعت کی، ان کا جنازہ بہت بڑا تھا اور انہیں مشہدِ کاظم (علیہ السلام) میں دفن کیا گیا"۔

اور کیا اس طویل متن میں (نصیر الدین طوسی پر) کوئی نقص یا طعن موجود ہے؟! جبکہ "الوافی بالوفیات" ایک معتبر کتاب ہے اور اس کے مؤلف معروف، مشہور اور مستند سنی علماء میں سے ہیں۔

اب آپ کے سامنے وہ عبارت بھی پیش کر دیتا جو "فوات الوفیات" میں آئی ہے، وہ کہتا ہے:

"خواجہ نصیر الدین طوسی محمد بن محمد بن الحسن نصیر الدین؛ وہ علومِ اوائل میں سرکردہ شخصیت تھے، بالخصوص رصد گاہوں اور "المجسطی" کے علم میں۔ ہلاکو ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور اموال ان کے تصرف میں تھے"۔

[یہ تقریباً وہی عبارتیں ہیں جو "الوافی بالوفیات" میں گزری ہیں، یہاں تک کہ وہ کہتا ہے]:

"وہ خوش شکل، نرم خو، سخی، فیاض، بردبار، خوش اخلاق، کثیر الفضائل، جلیل القدر اور نہایت زیرک (داہیہ) تھے"۔

یہاں تک کہ اس نے ان کی تصانیف کا ذکر کیا جو کہ بہت زیادہ ہیں، اور ان کے حق میں بعض علماء کے کلمات نقل کیے اور کہا: "انہیں مشہدِ کاظم (علیہ السلام) میں دفن کیا گیا، اللہ ان پر رحم کرے"۔

اسی طرح آپ ان کی تعریف و توصیف "النجوم الزاہرہ"[1] اور ان کے علاوہ دیگر مؤلفین و مورخین کے ہاں بھی پائیں گے۔

پس وہ کہاں ہیں وہ باتیں جو ابنِ تیمیہ نے ذکر کیں یا وہ اضافہ جو ان کے شاگرد ابنِ قیم الجوزیہ نے کیا؟ اصل حقیقت وہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔

خاتمہِ بحث:

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر آپ تراجم، سیرت اور تاریخ کی ہماری (شیعہ) کتب پڑھیں، تو آپ کو ان الفاظ میں سے ایک لفظ بھی نہیں ملے گا جو ان میں سے بعض لوگ شیعہ علماء کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ کو سنی علماء کے حق میں ہماری کتب میں ایسا کوئی لفظ نہیں ملے گا۔ اگر ہمارے علماء اہل سنت کے کسی عالم کا ذکر کرتے ہیں، تو وہ ادب اور متانت کے ساتھ کرتے ہیں۔ چہ جائیکہ ان کی طرف ایسی بات منسوب کریں جو ان میں نہ ہو، یا جس کی نسبت ان کی طرف کرنا جائز ہی نہ ہو۔ آپ کتب ملاحظہ کریں، ہماری اور ان کی کتب کا موازنہ کریں؛ ہمارے علماء کے اسلوب اور ان کے "شیخ الاسلام" کے اسلوب کا تقابل کریں، تاکہ آپ حق کو پہچان سکیں اور حق کے پیروکار بن سکیں۔

جب آپ حق کو پہچان لیں گے تو صاحبِ حق کو بھی پہچان لیں گے، اور جب حق کی معرفت ہو جائے گی تو آپ بلاتردد اس کی پیروی کریں گے۔

چنانچہ اس بحث میں ہم نے کئی باتیں جان لیں، اور اس تحقیق کے متعدد فوائد حاصل ہوئے، اور اس سے زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں جو میں نے آپ کے سامنے ذکر کر دیا ہے۔

۱۔ النجوم الزاہرۃ فی ملوک نصر والقاہرۃ ۷/ ۲۴۵۔

وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین۔